AL-HAYAT Research Journal
Volume 3 Issue 3 (April-June 2026)
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759

نصیر احمد ناصر کی نظموں میں ماحولیاتی تناظر

An Ecocritical Perspective on the Poetry of Naseer Ahmad Nasir

Ali Raza
PhD Scholar, Department of Urdu and Iqbaliat, Islamia University, Bahawalpur

Abstract

The environmental perspective has emerged as a significant area of literary inquiry in the twenty-first century, reflecting growing academic interest in ecological awareness and sustainability. Urdu literature is no exception to this global intellectual movement. Urdu poets, scholars, critics, and creative writers have increasingly incorporated environmental concerns into their literary works, thereby contributing to contemporary ecological discourse. Among these writers, Naseer Ahmad Nasir occupies a distinctive position for his thoughtful engagement with environmental issues. His poetry foregrounds pressing ecological challenges such as deforestation, the degradation of natural landscapes, biodiversity loss, and the escalating threat of global warming. Through vivid imagery, symbolic expression, and profound emotional insight, he not only depicts the fragile relationship between humanity and nature but also encourages readers to develop a deeper sense of environmental responsibility. Nasir's poetry transforms ecological concerns into a compelling literary experience, making environmental consciousness both aesthetically engaging and intellectually stimulating. His sensitive and evocative poetic vision inspires readers to reflect on the consequences of environmental degradation and the urgent need for sustainable coexistence with nature. This study critically examines the environmental dimensions of Naseer Ahmad Nasir's poetry, exploring how his literary vision contributes to the broader discourse of ecocriticism in contemporary Urdu literature.

Keywords: Ecocriticism; Urdu Poetry; Naseer Ahmad Nasir; Environmental Literature; Ecological Consciousness; Environmental Degradation

نصیر احمد ناصر کا شمار عہدِ حاضر کے صفِ اوّل کے شعراء میں ہوتا ہے۔ اُنھیں ماحولیاتی شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ فطرت اور اِس کے متعلقات سے بے حد محبت رکھنے والے شاعر ہیں۔ وہ اپنی زمین سے جُڑے ہوئے شاعر ہیں۔ ان کی نظموں میں فطرت کا بے پناہ حُسن اپنے پورے منظر نامے کے ساتھ موجود ہے۔ اُنھوں نے اپنے شعری سفر کا آغاز 1971، 72ء میں کیا۔ یہ دور وہ ہے جب ماحولیاتی مباحث نے ابھی فقط ایک دہائی کا سفر طے کیا تھا۔ چوں کہ ناصر کی نظر ابتداء سے ہی عالمی ادب پر رہی اس لیے اُن کے ہاں ماحولیاتی شعور اُن کے پہلے شعری مجموعے ’زرد پتّوں کی شال‘ سے ہی نظر آ جاتا ہے۔ فطرت سے متعلق قریباً سارے ہی استعاروں، تشبیہوں اور کنایوں کو برت کر وہ فطرت سے اپنی محبت کا یقین دلاتے ہیں۔ ماحولیاتی شعور سے متعلق اُن کے ہاں کسی بھی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا بَل کہ اُس کے تمام ممکنہ شعری اظہار ہمیں اُن کی شاعری میں مِل جاتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں درختوں، پودوں، جان وروں، دریاؤں، سمندروں، آبِ حیات، زمین، فضا اور انسان برابر جگہ پاتے ہیں۔ ناصر کا ماحولیاتی شعور اپنے معاصر اور پیش رُو شاعروں کی نسبت کہیں گہرا ہے۔ اِس کا سبب اُن کی مظاہرِ فطرت سے بے پناہ محبت ہے۔

ناصر نے ماحولیاتی تنقید کی بیشتر مباحث کو اپنی شاعری میں زیر بحث لائے ہیں۔ جس میں نمایاں آبی قلت، درختوں کا کٹاؤ، عورتوں کا استحصال، گلوبل وارمنگ، راعیانات، زمینی و فضائی آلودگی، صارفیت کا جبر، فطرت کی تباہی اور امن کو سبوتاژ کرنے کے حوالے سے اہم ہیں۔ اُن کے یہ ہاں یہ ماحولیاتی مباحث سلسلہ وار چلتے ہیں۔ اُن کے ماحولیاتی شعور کا یہ سفر ابھی تک جاری ہے۔

ناصر کی بہت سی نظمیں گاؤں (دیہات) سے متعلق ہیں جہاں شہروں سا شور اور آلودگی نہیں بل کہ سکون ہوتا ہے۔ دیہات سے محبت یعنی فطرت سے محبت ہے۔ چوں کہ دیہات کی زندگی فطرت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ جہاں زندگی ہر طرح کی آلودگی سے پاک فطرت کے قریب تر ہوتی ہے۔ اُن کا بچپن چوں کہ دیہات میں فطرت کے قریب سے دیکھنے میں اور اُس سے براہِ راست حظ اُٹھاتے گزرا اِس لیے فطرت سے اُن کی اُنسیت بھی فطری ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ بطور ایک حسّاس شاعر وہ اِسے بگڑتا ہوا دیکھ لیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ پہلے وہ دیہات میں رہے اور اب دیہات اُن میں رہتا ہے۔ دیہات اُن کا ناسٹیلجیا ہے جس سے وہ کبھی نہیں نکل سکے۔ دیہات اور اِس کے متعلقات جگہ جگہ اُن کی شاعری میں دَر آئے ہیں۔ جس میں وہ خاص طور پر اپنے بچپن کی زندگی کے مشاہدے کی مدد سے شعروں کی صورت تصویر کرتے ہیں۔ دیہات اور اُس کے متعلقات ناصر کے لاشعور کا حصّہ ہیں۔ راقم سے ملاقات میں اپنی ایک ناآسودہ خواہش کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ " میں اپنی زندگی کا بقیہ حصّہ اپنے آبائی گاؤں ناگڑیاں کے فارم ہاؤس میں گزارنا چاہتا تھا مگر اب بچّوں کی مصروفیات کے باعث یہ خواب اُدھورا ہی رہ جائے گا۔"[1] گاؤں کی زندگی سے اس قدر محبت اُن کے ماحولیاتی شعور کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اِس ضمن میں 'بہت دُور ایک گاؤں میں'، 'نئے مکان میں آبائی یاد' اور 'ہم موجود ہوتے ہوئے بھی ناموجود ہیں' قابلِ ذکر ہیں۔ ایک نظم 'بہت دُور ایک گاؤں میں' سے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

بہت دُور اِک گاؤں میں ہے میرا / جہاں چاندراتوں میں خاموش گلیوں سے

بوڑھے درختوں کی شاخوں سے / سوئے ہوئے آنگنوں سے گزر کر

ہوا اَب آتی ہے / چُپکے سے مجھ کو بلاتی ہے / لیکن ناپا کر مجھے، لُوٹ جاتی ہے

عادت ہوا کی ابھی تک وہی ہے / کہ فطرت ہوا کی ابھی تک وہی ہے

مگر زندگی نے مجھے روند ڈالا / شہروں کی بے راستہ بِھیڑ میں۔۔۔! [2]

ایکو فیمنزم / تانیثی ماحولیات بھی ماحولیاتی تنقید کی ایک اہم شاخ ہے۔ جس میں عورت کے استحصال کے خلاف مرد مرکز معاشرے کے سامنے احتجاج ریکارڈ کرایا جاتا ہے۔ عورت جو کہ پدرِ سری نظام کے نافذ ہونے سے لے کر آج تک مختلف صورتوں سے استحصال کا نشانہ بنتی آ رہی ہے؛ اُسے بھی برابر کا انسان سمجھا جائے اور وہ بھی اُسی سلوک کی مستحق ہے جس کے دوسرے انسان مستحق ہیں۔ اس حوالے سے ناصر کی نمائندہ نظمیں 'غیرت دار'، 'اجلاس ابھی جاری ہے'، 'جنگ جو عورتوں کا گیت'، 'ریحانے جباری'، 'دُکھ گوتم سے بھی بڑا ہے'، 'عورت اور محبت میں آدھے دُکھ کا فرق ہے'، 'کاغذ کی تنہائی'، 'راستہ اور ماں'، 'کھیت زاعفران کے'، 'سبز کھیت دھان کے' ہیں۔ محولہ بالا تمام نظموں میں عورت کی استحصال کی مختلف شکلوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک نظم 'اجلاس ابھی جاری ہے' کے مصرعے ملاحظہ ہوں:

پارلیمان میں بحث جاری ہے / کہ عورتوں کو مارنے کا / جائز طریقہ کیا ہے؟

انہیں ہلکے پھلکے تشدّد سے مارا جائے / یا تیزاب پھینک کر / چہرے مسخ کیے جائیں

CC BY

یا تیل چھڑک کر آگ لگائی جائے / زہر دیا جائے / یا چوہے مار گولیوں سے کام چلایا جائے

یا پنکھوں سے لٹک کر / خود کشی پر مجبور کیا جائے / جنابِ سپیکر! /

دوپٹے کا اِس سے اچھا استعمال اور کیا ہو سکتا ہے / خاص طور پر نچلے طبقے کی عورتوں کے لیے

یہ طریقہ مناسب رہے گا / اِس پر ٹیکس چھوٹ دی جا سکتی ہے / کلہاڑی کے وار بھی کارگر ہو سکتے ہیں

اور ٹوکے سے ہاتھ، پاؤں، زبان اور چٹیا کاٹنا تو روزمرہ کی بات ہے

گھریلو چھریوں سے کام چل سکتا ہے / بیگمات اور خواتین فلک کے لیے

خواب آور دوائیں آسان حل ہے / جنابِ والا! / اِن کے حاملہ پیٹوں پر

گھونسے اور لاتیں مارنا / اِن کے خلاف آپریشن "ضربِ خفیف" جاری رکھا جائے [3]

اتنا طویل حوالہ دینا اس لیے مجبوری تھا کہ اس میں عورت کے استحصال کی ممکنہ صورتیں آ گئی ہیں۔ مرد مرکز معاشرے نے کیسی کیسی بھیانک اور انسانیت سوز طریقے ڈھونڈ لیے ہیں۔ اس مرد معاشرے میں چار سال کی بچّی سے لے کر بڑھیا تک جنسی درندگی کا آئے روز نشانہ بنتی ہیں۔ شادی سے انکار پر تیزاب گردی بھی کوئی نئی بات نہیں۔ غیرت کا نام پر آئے روز سرِعام عورتوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ کہیں صرف بیٹیوں کی پیدائش پر تو کہیں جہیز کے کم ہونے پر طلاق کا طوق پہنا دیا جاتا ہے۔ عورت اس معاشرے میں خود کو کہیں بھی محفوظ نہیں پاتی۔ اس پدرسری سماج میں قوتیں نسلی، طبقاتی، صنفی یا جنسی افتراق کی بنیاد پر انسان کا استحصال کرتی ہیں وہ فطرت کے استحصال سے بھی گریز نہیں کرتیں۔ نسترن احسن فتیحی کے الفاظ میں:

"ایکو فیمنزم کا نظریہ تحریکِ امن، خواتین کی صحت، ماحولیاتی تحریکات اور جانوروں کی آزادی
جیسی تحریکوں سے نمو پذیر ہوا ہے۔ سرسبز و شاداب فطری حُسن کی انکروچمینٹ اور عورت
کے استحصال کے درمیان تعلق ذہن سازی کا خاصہ ہے جس کے نتیجے میں زمین اور عورت
سکڑتی چلی گئی ہیں۔" [4]

ماحولیاتی تنقیدی مباحث میں فطرت کی بربادی چاہے کسی بھی صورت میں ہو، اسے موضوعِ بحث لایا جاتا ہے۔ پرندوں کے بے گھر ہونے کا دکھ ہو یا درختوں اور پودوں کے کٹنے کا یا زمین کی بربادی کا؛ ناصر کو متاثر کیے بنا نہیں رہتے۔ اس سلسلے کی نمائندہ نظموں میں 'نظم اور میں'، 'دیہاتیوں کا گیت'، 'ہم بارانی لوگ'، 'پرندوں کے خواب'، 'خاموش رہتی ہے'، 'خطاب کہو، اب کیا بیچو گے؟'، 'انھیں مت بتانا'، 'نغمۂ بیابانی'، 'دُروں بانی'، 'کہیں اس پار اُترے ہیں'، 'تھکن سے چُور ہوتے ہیں'، 'برگدوں کے سائے میں'، 'دُور اک کھجور ہے'، 'جائید اد بٹ گئی'، 'دُور اک جلے ہوئے' اور 'پاپلر کی چھاؤں میں' شامل ہیں۔ ان میں سے ایک نظم پرندوں پر اور ایک درختوں کے لیے پیشِ خدمت ہیں۔ نظم 'پرندوں کے خواب' سے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

پرندے خواب دیکھتے ہیں / کہ پہاڑ پھر سے / اپنا قدیم آسن جمائے بیٹھے ہیں

زمین کھیتوں اور جنگلوں سے ڈھکی ہوئی ہے / جھیلیں شفاف پانی سے لبریز ہیں

CC BY

اور درخت / پھولوں اور پھلوں سے لد گئے ہیں / پرندے خواب دیکھتے ہیں

کہ سمندروں کی لہریں / پُر سکون ساحلوں کو نغمۂ ترسنا رہی ہیں

جزیروں پر دھوپ پاؤں پھیلائے / نیم برہنہ لیٹی ہوئی ہے / آسمان صاف اور نیلا ہے

اور بستیاں / انسانوں سے خالی ہو چکی ہیں [5]

پیڑوں کے حق میں ایک نظم 'حطّاب کہو، اب کیا بیچو گے؟' سے کچھ مصرعے ملاحظہ ہوں:

حطّاب کہو، کیا بیچو گے؟ / جنگل تو سب شہر ہوئے ہیں / گلی گلی میں پائپ بچھے ہیں

دیواروں اور سڑکوں کی / گنجانا میں / حسنِ سلوک اور حسنِ طلب

متروک ثقافت کے قصّے ہیں / بیچنے اور خریدنے والے / ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں

اصراف کی گہما گہمی میں / نام و نمود کی خوش فہمی میں / حسنِ گلو سوز بھی غازے کا

حسن افروزی کا محتاج ہوا ہے / کل جو نہیں تھا آج ہوا ہے [6]

ماحولیاتی تناظر کی دیگر مباحث میں صارفیت کا جبر بھی اک اہم موضوع ہے۔ جس کی وجہ سے بہت تیزی سے فطری ماحول برباد ہوا ہے۔ جنگلات کو کاٹ کر ان پر نئے شہر کا معاملہ ہو یا شہر کا بے ہنگم پھیلاؤ، زرعی زمینوں کو برباد کر کے ان پر نئی ہاؤسنگ سوسائٹیاں بسائی جارہی ہوں یا نت نئی سڑکوں یا عمارتوں کے لیے پیڑ کاٹے جارہے ہوں؛ ناصر خاموش نہیں رہتے بل کہ ان مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ اس سلسلے سے ان کی نمائندہ نظمیں 'شہر مجھے مار کر ہی چھوڑے گا'، 'بے خبری میں ہم کتنا بدل گئے'، ' مغرور'، 'پسپائی اور محبت کی آخری نظم'، 'گلوریا جینز میں ایک شام'، 'غت ربود'، 'وقت کی بدرو میں گرتے خواب'، 'ویپ ہولز' اور 'سٹی ہائیٹس' ہیں۔ محولہ بالا نظموں میں صارفیت کے جبر کی ممکنہ صورتوں کو بیان کیا گیا ہے اور یہ باور کرایا گیا ہے کہ یہ جبر اگر یونہی جاری رہا تو دنیا بہت جلد تباہی کے دہانے پر کھڑی ہو گی۔ اس حوالے سے ان کی نظم 'سٹی ہائیٹس' بہتر ابلاغ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

مِرے بیجوں سے دھرتی پر / نئے جنگل اُگیں گے، پھیل جائے گی

زمیں ماں ہے، زمیں کا خواب تھا لیکن / زمیں زادوں کی آنکھوں میں

فلک بوسی کا سپنا ہے جسے تعبیر ہونا ہے / یہاں اب پارک کے بدلے پلازہ اِک نیا تعمیر ہونا ہے

زمیں مجبور ہے / دُکھ سے مجھے کٹتے ہوئے چُپ چاپ تکتی ہے [7]

جس سطح کا ماحولیاتی شعور ناصر کے ہاں دکھائی دیتا ہے وہ ہمیں ان کے ہم عصر شعراء کے ہاں نظر نہیں آتا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ جو ذخیرہ ماحولیاتی شعور کی نظموں کا ہمیں ناصر کے ہاں ملتا ہے وہ دیگر ہم عصر شعراء کے ہاں نہیں ملتا۔ اس حوالے کی نظموں میں 'بادشہِ سخن کا فرمان، چلنے کے لیے سب سے اچھا راستہ دل کا ہے'، 'بارش' اور 'آخری لفظ کے بے کار ہونے تک لکھتے رہو' زیادہ اہم ہیں۔

OPEN ACCESS

راستوں کو ہوا کے ساتھ نتھی کر دو / بادلوں کی گٹھڑیاں باندھ کر

پہاڑوں کی چوٹیوں سے نیچے پھینک دو / اور بارش کو

انجیر اور خوبانیوں کی طرح خشک کر کے / پیکٹوں میں محفوظ کر دو

پرندوں کی اُڑانیں / آسمان کے پارچے میں لپیٹ دو

اور پھر پھڑاہٹیں کشتیاں بنا کر پانیوں میں بہادو / چھاؤں کو دُھوپ سے

اور درختوں کو زمین سے الگ کر دو /

دن کے اُجالے اور رشب کے اندھیرے کو / نظموں میں قید کر دو!! [8]

مستقبل میں دنیا میں جنگیں پانی پر ہوں گی۔ آبی قلت مستقبل قریب میں دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ بننے جا رہا ہے۔ جس کے آثار ابھی سے نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ مستقبل میں جس کا بھی ان آبی ذخائر پر قبضہ ہو گا، وہی طاقت ور اور معاشی طور پر مستحکم ملک قرار پائے گا۔ اس لیے پوری دنیا کو اس مسئلے کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس مسئلے سے نپٹنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم آبی آلودگی پھیلانے سے گریز کریں اور اس کی آگاہی کے لیے حتی المقدور کوشش بھی کریں۔ کارخانوں کا زہریلا مواد ہو یا انسانی فضلہ، کوڑا کرکٹ ہو یا فیکٹریوں سے نکلنے والا کیمیکل؛ اسے مسلسل آلودہ کر رہے ہیں اور دنیا قابلِ استعمال پانی کو تیزی سے محروم ہوتی جا رہی ہے جو کہ ایک نہایت خطرناک صورتِ حال ہے۔ نا صرف انسانوں کے لیے بل کہ تمام جان داروں کے لیے آبی قلت خطرہ بنتی جا رہی ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اتنا اہم موضوع ناصر کی نظروں سے اوجھل رہتا۔ اس سلسلے میں ان کی نمایاں نظمیں 'موت کو پڑھنا آسان نہیں'، 'مین دریا ہوں میرے ساتھ چلو'، 'دریا کا پھیر کس نے پایا'، 'جھیل'، 'یاد بھی آ۔۔۔!'، 'بصارت کا قحط'، 'بارش کیسے لائیں'، 'پانیون کو زمیں نہیں ملتی' اور 'سمندر اوک میں بھر لو' شامل ہیں۔

جھیلیں ہو گئیں خالی / ساکھے جنگل بیلے / پنچھی، ڈھور، درندے

تتلیاں، سانپ، مکوڑے / انساں زندہ ڈھانچے / جل بن درد کے سانچے

آنکھیں خشک دراڑیں / بنجر خواب سرائیں بارش کیسے لائیں؟ [9]

آبی آلودگی کے علاوہ فضائی اور زمینی آلودگی کو بھی ناصر نے موضوعِ سخن بنایا ہے۔ مثلاً 'ڈسٹ بِن سے موت جھانکتی ہے'، 'امیگریشن'، 'مہمان پرندوں کو الوداع' اور 'آزروق' قابلِ ذکر ہیں۔

الوداع اے میہمانو، اے پرندو الوادع! / اگلے برس تک الوداع!!

اگلے برس جب تم اُڑانوں کے صحیفے لے کے آؤ گے / تو جھیلوں کے کنارے

ہم تمہارے منتظر ہوں گے / تمہارے خوبصورت نرم نرمیلے پروں کا لمس پاتے ہی

زمیں پر پھر محبت لوٹ آئے گی / مگر اگلے برس تک پانیوں میں

کائی کی موٹی تہوں کا بھی اضافہ ہو چکا ہو گا / ہوائیں دھول سے،

OPEN ACCESS

کالی کثافت کے دُھوئیں سے، / گرد سے لبریز ہوں گی

کھیت، بیلے، گھاس کے میداں، گھنے جنگل / نئی سڑکوں کی آری سے

کئی ٹکڑوں کی صورت کٹ چکے ہوں گے [10]

ناصر کے ہاں فطرت سے والہانہ محبت کا اظہار بھی ملتا ہے۔ فطرت سے محبت ہی ماحولیاتی شعور کی محرک بنتی ہے۔ ایک ماحولیاتی شعور کا حامل شاعر ہی عناصرِ فطرت سے اس قدر محبت کر سکتا ہے اور اس کی بقا کے لیے اپنی آواز بلند کر سکتا ہے۔ فطرت سے محبت دراصل کائنات سے محبت ہے۔ اس سلسلے کی نظموں میں 'جب محبت سمندر بنے گی'، 'روشن لمحے کا گیت'، 'پھولوں، پھلوں اور سبزیوں کے لیے ایک نظم'، 'فلیکا' اور 'اَبد کے پرندو' نمایاں ہیں۔

میں اُس کی آنکھوں میں سپنے لکھوں گا / جو میرے دل میں ستارے بھرے گا

مجھ سے ہواؤں کی سرگوشیوں میں / گزرے زمانوں کی باتیں کرے گا

قیدی پرندوں کے پَر کھول دے گا / تتلی کو چھوتے ہوئے جوڑ دے گا [11]

دنیا میں قائم امن کی خواہش اور جنگ کی مخالفت کرنے کو بھی ایک ماحولیاتی شعور کا حامل شاعر اپنا ضابطۂ حیات سمجھتا ہے۔ جنگیں کبھی بھی سودمند نہیں ہوتیں۔ یہ ہمیشہ جانی و مالی نقصان کا باعث ثابت ہوتی رہی ہیں۔ انھیں شروع کرنے والے طاقت کے حصول میں یہ بھول جاتے ہیں کہ کتنے بچّے یتیم ہوں گے؟، کتنی عورتیں بیوہ ہوں گی؟، کتنی ماؤں کی کوکھ خالی ہو جائے گی؟، کتنے بوڑھے باپوں سے ان کا آخری سہارا چھِن جائے گا؟ اور کتنے درخت، پرندے، پودے، جان ور اور دیگر جان دار اس جنگ میں لقمۂ اجل بنیں گے؟ بل کہ انھیں صرف اپنی فتح کے جھنڈے گاڑنے ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی نظمیں 'بچّوں کے نگران فرشتے کا خواب'، 'تھِنک ٹینک'، 'اگر مجھے مرنا پڑا تو' اور 'نئے گوتم کا اپدیش' سرِفہرست ہیں۔

سب پورے ہیں / ایک بھی کم نہیں / جتنے صبح تھے / اُتنے ہی شام کو ہیں

کیوں کہ آج / غزہ پر بمباری نہیں ہوئی / وزیرستان میں ڈرون حملہ نہیں ہوا

کشمیر کی سڑکوں پہ گولی نہیں چلی / افریقہ میں بھوک سے کوئی نہیں مَرا

اور امریکہ کے کسی اسکول میں / فائرنگ کا کوئی واقعہ نہیں ہوا [12]

گلوبل وارمنگ کو دنیا کے اہم مسائل میں سرِفہرست جگہ دی جاتی ہے کیوں کہ گزرتے وقت کے ساتھ یہ دنیا کے لیے سب سے بڑا خطرہ بنتا جا رہی ہے۔ دنیا کا درجہ حرارت جس قدر بڑھ رہا ہے یہ سب اسی کی مرہونِ منت ہے اور اس سے گلیشئر تیزی سے پگھل رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں سیلاب کا خطرہ ہر وقت اُمڈ تا رہتا ہے جو نا صرف انسانوں بل کہ دیگر جان داروں کو بھی جانی نقصان پہنچاتا ہے۔ ان سب مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے لوگوں میں ماحولیاتی شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور ناصر اپنا یہ فریضہ باخوبی نبھا رہے ہیں۔ ان کی اس سلسلے کی ایک نظم 'سفید بادل' ہے جو دنیا کو پیش آمدہ نقصانات سے پیشگی آگاہ کر رہی ہے۔ یہ ان کی دُور اندیشی ہے کہ وہ تیسرے درجے کے ایک ملک میں بیٹھ کر ایسے اہم موضوعات پر لکھ رہے ہیں۔ نظم 'سفید بادل' سے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

سفید بادل ازل سے یونہی بھٹک رہے ہیں / سُنا رہے ہیں عجیب قصّے

CC BY

عظیم کہنہ رُوحوں کا اِک جواں تھا/بس ایک سیّال روشنی تھی

بس ایک منظر دُھواں دُھواں تھا/رُکا ہوا سا کئی زمانوں کا کارواں تھا [13]

نصیر احمد ناصر ایک بالغ نظر شاعر ہیں۔ ان کے ہاں موضوعات کا تنوّع پایا جاتا ہے مگر ماحولیاتی شعور کے حوالے سے ان کا کام قابلِ تحسین ہے۔ ان کی نظر ہمیشہ سے مقامی اور بین الاقوامی موضوعات پر ہے۔ اس لیے وہ ناصرف اپنے گردوپیش سے واقف ہیں بل کہ ان کے ہاں آفاقی مسائل پر بھی بات کی گئی ہے۔ وہ دنیا میں ہونے والی سیاسی، سماجی، تہذیبی، ثقافتی اور جغرافیائی تبدیلیوں سے باخوبی واقف ہیں اور ان پر گزشتہ پچپن برس سے خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ ان کے اب تک کے پانچ شعری مجموعوں میں ان کا ماحولیاتی شعور واضح جھلکتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ دنیائے ادب کو مزید بھی نوازتے رہیں گے۔

حوالہ جات

1۔ انٹرویو راقم، بر مکان نصیر احمد ناصر، ہاؤس نمبر 21، گلی نمبر 2، فیز 2، بحریہ ٹاؤن، راول پنڈی۔ 16۔ فروری 2025

2۔ نصیر احمد ناصر، پانی میں گُم خواب، راول پنڈی: صریر پبلی کیشنز، 2024، ص:39

3۔ نصیر احمد ناصر، سُرمئی نیند کی بازگشت: جہلم: بک کارنر، 2024، ص:49، 50

4۔ نسترن احسن فتیحی، ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی افسانہ، لاہور: عکس پبلی کیشنز، 2019ء، ص:12

5۔ نصیر احمد ناصر، تیسرے قدم کا خمیازہ، راول پنڈی: صریر پبلی کیشنز، 2024، ص 178، 179

6۔ نصیر احمد ناصر، ملبے سے ملی چیزیں، جہلم: بک کارنر، 2024ء، ص:26، 27

7۔ نصیر احمد ناصر، عرابچی سو گیا ہے، راول پنڈی: صریر پبلی کیشنز، 2024، ص:47

8۔ نصیر احمد ناصر، پانی میں گُم خواب، راول پنڈی: صریر پبلی کیشنز، 2024، ص: 230

9۔ نصیر احمد ناصر، عرابچی سو گیا ہے، راول پنڈی: صریر پبلی کیشنز، 2024ء، ص:64

10۔ ایضاً، ص 49، 50

11۔ نصیر احمد ناصر، عرابچی سو گیا ہے، راول پنڈی: صریر پبلی کیشنز، 2024، ص:85

12۔ نصیر احمد ناصر، تیسرے قدم کا خمیازہ، راول پنڈی: صریر پبلی کیشنز، 2024، ص:214

13۔۔ نصیر احمد ناصر، عرابچی سو گیا ہے، راول پنڈی: صریر پبلی کیشنز، 2024، ص:56